مولانا محمد عیسیٰ منصوری
چیئرمین ورلڈ اسلامک فورم لندن

اسلامی معاشرے کو درپیش حقیقی خطرات

اسلام اور قرآن کا مطلوب سٹیٹ ہے یا انسانی بہبود کے لیے سرگرم معاشرہ؟ یہ اس وقت دنیائے فکر و فلسفے کا سب سے بڑا سوال ہے۔ اس لیے کہ ان دونوں نصب العین کا ذہن و فکر، جہد و سعی اور نتائج بالکل مختلف اور جداگانہ ہیں۔ نزول قرآن کے بعد تقریباً ۱۳ سو سال تک کبھی یہ سوال پیدا نہیں ہوا تھا۔ یہ سوال گزشتہ صدی کے اوائل میں دنیا پر مغرب کے عالمی اقتدار سیاسی غلبہ اور فکر و فلسفے کے غلبے کی دین ہے۔ اس سے پہلے مسلم معاشرہ ہر دور میں قرآن و سنت اور سیرتِ نبوی سے غذا و طاقت اور ہدایت و رہنمائی حاصل کر کے بنی نوع انسان کی فلاح و بھلائی کے نصب العین کی طرف رواں دواں رہا۔ مسلمانوں کے سیاسی عروج و زوال اور عسکری فتح و شکست سے قطع نظر مسلم معاشرے کی اندرونی توانائی و طاقت اُس کے خیر امت ہونے میں پنہاں تھی۔ اس کے خمیر میں ایسی قوت و توانائی رکھ دی گئی تھی جو اسے انسانیت کی بہبود کے لیے جد و جہد میں مصروف رکھتی تھی اور معاشرے کی یہ اندرونی طاقت' سیاسی و عسکری شکست و زوال کا فی الفور مداوا کر کے انہیں دوبارہ کارگاہِ حیات میں انسانیت کی رہنمائی و بہبود کی راہ پر گامزن کر دیتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ اور قرآن نے مسلم معاشرے میں ایسی روح و اسپرٹ پیدا کر دی تھی جو دنیوی نفع و ضرر سے بے نیاز ہو کر پوری انسانیت کی سرفرازی، برتری اور نفع کے لیے سرگرم رکھتی تھی۔

قرآن حکیم نے مسلم معاشرے کو خالق کی وحدت اور انسانی اخوت و مساوات کے عقیدے پر استوار کیا تھا۔ قرآن مجید کی چھے ہزار چھے سو آیات میں سے ایک آیت بھی کسی خاص ملک، قوم، نسل یا عرب و عجم سے خطاب نہیں کرتی۔ بلکہ نوعِ انسانی سے خطاب کرتی ہے۔ قرآن کا نقطۂ نظر قبائلی نہیں بلکہ عالمی اور آج کے الفاظ میں گلوبل و ییلج کا حامل ہے۔ وہ پوری انسانیت کی بہبود و فلاح کی دعوت دیتا ہے اور اس کا مقصد ایک ایسا معاشرہ برپا کرنا ہے جو کسی قوم و نسل کے بجائے پوری انسانیت کے نفع و بہتری کے لیے ہو۔ قرآن کے نزدیک مسلم معاشرہ اسی وقت صحیح معاشرہ ہوگا جب وہ پوری نوعِ انسانی کی بھلائی و بہتری کے لیے سرگرم عمل ہو۔ قرآن کے نزدیک مسلمان خیر امت یعنی بہترین گروہ اس لیے ہیں کہ وہ نوعِ انسانی کی بہبود و نفع کے لیے مہیا کیے گئے ہیں۔ وہ انسانی سوسائٹی میں معروفات یعنی اچھائیاں اور بھلائی عام کرتے ہیں اور منکرات برائیوں اور ضرر سے بچاتے ہیں اور یہ سب کام کسی دنیوی مفاد و غرض کے لیے نہیں بلکہ محض خالق کی خوشنودی کے لیے کرتے ہیں۔ یہی چیز مسلم معاشرے کی توانائی و زندگی تھی جو اس کے ہر زخم کو مندمل اور ہر شکست کا مداوا کرتی رہتی تھی۔ نزول قرآن کے وقت سے تقریباً بارہ سو سال تک مسلم معاشرہ خدا کے مستحکم تعلق اور بنی آدم کے ساتھ بھلائی میں خدا کی خوشنودی کی بنیاد پر قائم رہا۔ ہر معاشرے کی طرح اچھے برے لوگ یہاں بھی تھے۔ باہم خونریزیاں بھی چلتی رہتی

تھیں۔اقتدار و مسائل کے لیے رسہ کشی اور لذات و شہوات کے لیے تگ و دو بھی جاری رہتی۔مگر مجموعی طور پر مسلم معاشرہ اللہ ورسول کے مستحکم رشتے و تعلق اور نوعِ انسانی کی وحدت و بہبودی کے دو پہیوں پر آگے بڑھتا رہا۔یہ معاشرہ انسانیت کی بہبودی و خدمت کے لیے ہر قسم کے علوم وفنون،ایجادات واختراعات،ادارے اور شعبے اور افراد مہیا کرتا رہا۔حتیٰ کہ بنی امیہ کے زوال کے وقت جب ایک ایک عربی بولنے والے کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کیا جارہا تھا۔ان حالات میں بھی احادیث اور دیگر اسلامی علوم کی تدوین بھی ہورہی تھی۔اجتہاد بھی ہورہا تھا اور مسلم سکالر انسانیت کی بہتری کے لیے نئے نئے علوم وفنون اور نئی نئی ایجادات و تجربے بھی کررہے تھے۔اسپین میں مسلم حکومتیں اکثر باہمی طور پر برسرِ پیکار اور خانہ جنگی میں مبتلا رہیں مگر مسلم معاشرہ برابر اپنا کام کرتا رہا۔طبیعات وسائنس،کیمسٹری وطب،ارضیات وفلکیات،تاریخ،جغرافیہ اور انسانیت کو نفع پہنچانے والے علوم وفنون اور نئی نئی تخلیقات و تجربات جاری رہے۔اسپین کا مسلم معاشرہ اپنے باہمی خلفشار کے باوجود پورے یورپ کی علمی،تحقیقی و تخلیقی پیاس بجھا رہا تھا اور اسے سائنسی تجربات اور طب و کیمسٹری اور نئے نئے علوم وفنون سے مالا مال کرتا رہا۔معاشرے کی یہی اندرونی روح وطاقت اُسے ہر دور میں انسانی بہبود کے لیے ہر وقت متحرک رکھتی تھی۔بقول سر آرنلڈ کے جب کبھی مسلمانوں کی تلوار نے شکست کھائی تو معاشرے میں پنہاں روح وتوانائی نے بہت جلد اس شکست کو فتح میں بدل دیا۔تاتاری جیسے سفاک اور جابر دشمن سے شکست فاش کے بعد ایسا لگتا تھا کہ اب اسلام کا دام واپسیں ہے مگر چند ہی سالوں میں معاشرے کی اندرونی طاقت نے تاتاریوں کو حلقۂ بگوش اسلام کردیا۔مسلم معاشرے کی یہ قوت وروح ہر دور میں برقرار رہی۔تا آنکہ مغرب کے مکار وعیار دشمن نے مسلم معاشرے کی اس اندرونی توانائی وقوت ہی کو ڈائنامیٹ کردیا۔وہ نقب لگا کر اس میں پنہاں انسانی بہبود کے جوہرِ سمندر کو زہر آلود کردیا اور مسلم معاشرے کو خود غرضی،نفس پرستی،حرص وآز خواہشات وشہوات اور فلسفۂ لذت وہوس پرستی کے حیوانی وشیطانی خطوط پر استوار کردیا۔جس کی وجہ سے مسلم معاشرے کی روح نکل گئی اور اصل بنیاد منہدم ہوگئی۔معاشرے سے انسانیت کی بہبودی کی فکر وجذبہ نکلنے سے معاشرہ بے جان لاشہ بن کر رہ گیا۔

گزشتہ دو تین سو سال میں مسلم معاشرے نے انسانیت کی بہبودی کے لیے نہ کوئی علم ایجاد کیا نہ سائنسی تجربہ کیا۔اس کے بعد مسلمانوں نے جہاں کہیں عسکری وسیاسی شکست کھائی تو پھر اس شکست کا کوئی مداوا نہیں ہوسکا کیونکہ معاشرے کی روح اور زندگی نکل چکی تھی۔اب ایک شکست دوسری کی اور دوسری شکست تیسری کی راہ ہموار کرتی رہی۔اس پے در پے شکست وریخت کے ماحول میں بیسویں صدی کے کچھ ملت کا درد رکھنے والے مفکرین نے جب دیکھا کہ پوری دنیا کا مسلم معاشرہ مغرب کی یلغار کے سامنے ہمہ جہتی شکست وریخت سے دوچار ہے۔ایک طرف کمیونزم کے فلسفے کی دوسری طرف مغربی فکر وفلسفے اور تمدن وکلچر کی یلغار کے سامنے مسلم معاشرہ دن بدن سپر انداز ہوتا جارہا ہے تو انہوں نے فکری ونظریاتی طور پر کمیونزم کے فلسفے اور مغربی نظریات وتمدن کے آگے بند باندھنے کی کوشش کی۔علمی طور پر کمیونزم کے فلسفے کا پوسٹ مارٹم کیا اور مغربی نظریات پر یلغار کردی اور ان دونوں کا نوعِ انسانی کے بجائے محض مغرب کے طبقۂ امراء واشراف کے مفادات

اور اقتدار کا ذریعہ ثابت کیا۔ مگر مسلم معاشرے کی اندرونی طاقت وروح نکلنے کی وجہ سے جو خلا پیدا ہو گیا تھا۔ اس کا تنزل وزوال تیز ہوتا رہا اور مغرب کے خونی پنجے اور گرفت مزید مضبوط ہوتی رہی۔ ان حالات میں مسلم مفکرین کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ کمیونزم کے نظریئے اور مغربی تمدن وکلچر کے نقوش کا اصل سبب اُن کی پشت پر عظیم الشان سٹیٹ کا ہونا ہے۔ ایک کی پشت پر ایشین امپائر ہے تو دوسرے کی برٹش ویورپی ایمپائر اور مسلم اسٹیٹ ٹوٹ پھوٹ کر بکھر رہی تھی جو بالآخر ۱۹۲۴ء میں اختتام کو پہنچ گئی۔ ان مایوسی کے حالات میں تاریخ میں پہلی بار بیسویں صدی میں بعض اسلامی مفکرین نے اسلامی اسٹیٹ کے قیام کو قرآن اور اسلام کا نصب العین قرار دے کر پورے قرآن واسلام کو اس فکری محور کے گرد اس طرح سے گھمایا کہ قرآن کی ایک بالکل نئی تعبیر سامنے آئی۔ جسے بجا طور پر ایک سیاسی تعبیر کہا جا سکتا ہے۔ مسلم نوجوانوں کی آنکھوں میں ہزار بارہ سو سالہ اسلامی امپائر کی شان وشوکت کا نقشہ اور کانوں میں مسلم سٹیٹ کی عظمت وبالادستی کی پرشکوہ داستانیں گونج رہی تھیں۔ انہوں نے اسلام کی اس نئی تعبیر کو اپنے درد کا درمان اور عظمتِ رفتہ کے حصول کا واحد طریقہ جانا۔ چنانچہ مسلم نوجوانوں خاص طور پر جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں نے جوق در جوق ان مفکرین کی آواز پر لبیک کہہ کر اسلامی اسٹیٹ کے قیام کے حصول کو مقصدِ حیات بنالیا۔ اس نئے نصب العین کی خاطر ان مفکرین کو اسلام کی پوری ترتیب بدلنی پڑی۔ یعنی عقائد، عبادات، اخلاق، معاملات اور سیاست کی ترتیب کو برعکس کر کے اوپر سے یعنی سیاست سے شروع کرنا پڑا۔ اور اس تعبیر کے لیے انسان اور خدا کے گہرے عبدیت کے رشتہ وتعلق کو حاکم ومحکوم کا رسمی رشتہ قرار دینا پڑا۔ جبکہ لفظ اللہ کے لغوی معنی ہی اس ہستی کے ہیں جس سے ٹوٹ کر بے انتہا محبت کی جائے۔ جسے قرآن نے **والذین آمنوا اشد حبًّا اللّٰہ** سے تعبیر کیا۔ یاد رہے بیسویں صدی کے ان عظیم مفکرین جن میں شیخ حسن البنا، سید قطب، سید ابوالاعلیٰ مودودی اور فلسطین کے شیخ تقی الدین وغیرہ شامل ہیں نے اپنے کام کی ابتداء معاشرے کی اصلاح وتربیت اور اس کی توانائی وروح کی بازیافت ہی سے شروع کی تھی اور چند سال میں اس کام کے نہایت مفید نتائج سامنے آئے۔ باصلاحیت ومخلص تعلیم یافتہ نوجوانوں کی ایک ٹیم وجود میں آ گئی۔ مگر حالات کے دباؤ، کام کی کٹھنائی اور دیر طلب ہونے اور مغرب کے طاغوتی طاقتوں کے ظلم وستم کی آندھیوں اور ان کے پوری دنیا پر تسلط وغلبے کے حالات نے ان مفکرین کو مختصر راستہ (شارٹ کٹ) پر ڈال دیا پھر ان جماعتوں اور فکر سے وابستہ بعض افراد نے جب دیکھا کہ یہ نصب العین (اسٹیٹ کا قیام) دنیا کے مروجہ معروف اور متداول طریقوں سے حاصل نہیں ہو پا رہا تو انہوں نے جلد بازی میں انتہا پسندی کا راستہ اختیار کیا۔ چنانچہ اخوان میں سے جماعت الہجرہ وتکفیر (جس سے احمد الظواہری اور صدر سادات کے قاتل خالد کا تعلق تھا) اور جماعتِ اسلامی جیسی انتہا پسندانہ نظریات رکھنے والی جماعتیں وجود میں آئیں۔ اگرچہ بعد میں اخوان المسلمین اور جماعت اسلامی نے ان سے باضابطہ طور پر اظہار لاتعلقی کیا مگر یہ بھولنا نہیں چاہیے کہ یہ تنظیمیں اسی نصب العین یعنی اسلامی سٹیٹ کے جلد حصول کی خواہش میں پیدا ہوئیں اور یہ لوگ دنیا بھر میں اسلام اور مسلمانوں کی بدنمائی وبدنامی کا اور انسانیت کو اسلام سے وحشت زدہ کرنے کا سبب بنیں۔

جب ہم سٹیٹ کے قیام کے نصب العین کے لیے قرآن وسنت اور حضرات انبیاء علیہم السلام کی زندگیوں کی طرف

رجوع کرتے ہیں تو قرآن کی ایک آیت بھی براہِ راست ہم سے اسٹیٹ کے قیام کا مطالبہ نہیں کرتی۔اور نہ کوئی واضح حدیث ہمیں اس کام کا مکلّف بناتی ہے۔البتہ قرآن نے ایمان وعمل صالح پر استخلاف فی الارض کا وعدہ ضرور کیا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ جب اہل ایمان کو اقتدار ملتا ہے تو وہ نماز، زکوٰۃ کو قائم کرتے ہیں۔معروفات کو پھیلاتے اور منکرات سے روکتے ہیں اور یہ بھی کہ اہل ایمان اقتدار یعنی حکومت کے ملنے کے بعد اگر اللہ ورسول کے احکامات کے مطابق فیصلے نہ کریں تو قرآن انہیں ظالم، فاسق بلکہ کافر تک قرار دیتا ہے۔قرآن نے تین انبیاء سابقین حضرت یوسف، حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہم السلام کا تذکرہ صاحبانِ اقتدار کے طور پر کیا۔وہیں واضح طور پر یہ بتادیا کہ یہ اقتدار اُن کی کسی کوشش کے بغیر محض اللہ تعالیٰ نے عطاء فرمایا تھا۔جائے غور ہے جو قرآن سینکڑوں جگہ پر پیرائے اور اسلوب بدل بدل کر نماز، روزہ اللہ کی راہ میں جان ومال کے خرچ، تقویٰ، احسان، صبر اور دیگر اوصاف واعمال کی تلقین کرتا اور تاکیدی حکم سے بیان کرتا ہے اور انہیں ایک مسلمان کا مقصود ومطلوب قرار دیتا ہے۔وہ ایک جگہ بھی واضح طور پر اسلامی سٹیٹ کے قیام کا مطالبہ نہیں کرتا۔اسی طرح ہزارہا احادیث میں ایک حدیث بھی واضح طور پر اسٹیٹ کے قیام کا مطالبہ نہیں کرتی بلکہ اس کے برعکس نفسانیت اور شر وفساد کے دور میں بہت سی احادیث اقتدار اور حکومت کے جھمیلوں سے یکسو ہوکر اللہ ورسول کی اطاعت، عبادات واعمال اور معاشرے کی تعمیر میں لگ جانے کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور قرب قیامت میں جب معاشرہ فساد کی انتہا کو پہنچ کر خیر کو قبول کرنے کی استعداد کھودے گا' اُس وقت معاشرے کی فکر کے بجائے اپنی ذات کو اللہ ورسول کے حکم اور ذکر وعبادت پر جمانے کی ہدایت کرتی ہے۔یہ بات بھی جائے غور ہے کہ اسلام کے ۱۴سو سالہ دور میں کسی صحابی، تابعی، مجتہد، محدث، عالم یا فقیہہ اور بزرگ وولی نے قرآن وسنت اور سیرت سے اسلام کا نصب العین اسٹیٹ کا قیام نہیں سمجھا۔جس پر بیسویں صدی کے بعض مفکرین نے لٹریچر کے ڈھیر لگا دیئے۔ہمارے نزدیک اسلام جیسے واضح نصب العین رکھنے والے مذہب کے متعلق یہ تصور ہی ناقابل فہم اور گمراہ کن ہے کہ اس کے صحیح حقیقت ومعانی یا نصب العین بیسویں صدی تک پردہ اخفا میں رہا۔

اگر اسلام پوری انسانیت کا مذہب ہے اور قرآن ھدی للناس اور بَلٰغٌ اللناس یعنی تمام انسانیت کے لیے پیغام ہے اور پیغمبرِ اسلام کافۃً للناس بشیر ونذیراً ہیں اور ساری نوعِ انسانی آپ کی امت دعوت ہیں تو جس طرح ایک تاجر اپنا مال بیچنے کی خاطر بعض اوقات خریدار کی طرف سے ناگوار باتوں کو بھی برداشت کرلیتا ہے تو اسی طرح داعی کو مدعو کے رویے سے صرف نظر کرکے اور صبر وتحمل کا دامن تھام کر پیغام پہنچانا ہوتا ہے۔یہی کام مسلم معاشرہ ہر دور میں خاموشی سے کرتا رہا۔حتیٰ کہ برصغیر میں مسلم اسٹیٹ کے اختتام کے وقت مسلم آبادی کا تناسب بمشکل دس فیصد رہا ہوگا جو ایک صدی بعد کل آبادی کی ایک تہائی کے قریب جا پہنچا۔اگر حالات نارمل رہتے اور معاشرہ اپنا کام کرتا رہتا تو قیاس کہتا ہے کہ مزید ایک صدی میں برصغیر کے مسلمانوں کو واضح اکثریت بن جانے سے کوئی طاقت نہیں روک سکتی تھی مگر دعوتی کام کے بجائے سیاسی ذہن وفکر اور اقتدار کی خواہش نے برصغیر کے معاشرے میں منافرت، دوری اور تلخی گھول کر اسلام کے سمجھنے کے امکانات ختم نہیں تو نہایت محدود کردیئے۔

ہمارے نزدیک اسلام جیسے آفاقی اور پوری انسانیت کے لیے پیغام رکھنے والے مذہب کو اسٹیٹ کی تنگنائیوں میں بند کرنا ہی ناقابل فہم ہے۔جس دین کی تعریف خود پیغمبر اسلام ﷺ نے النصیحۃ یعنی خیر خواہی کے لفظ سے کی ہو کہ یہ اللہ ورسول مسلمانوں اور پوری انسانیت کے لیے بھلائی اور خیر خواہی ہے۔اس کا اوّلین تقاضا انسانیت کے درمیان ہر قسم کی غلط فہمیوں کو ختم کر کے ان کو پیغام سننے کے مواقع مہیا کرنا ہونا چاہیے جبکہ اسٹیٹ اور اقتدار کا لفظ ہی اقوامِ عالم کے درمیان تناؤ ،فاصلے اور بدگمانی کے ڈھیر لگا دیتا ہے۔اگر اسلام کا نصب العین کسی اسٹیٹ کا قیام ہوتا تو اسے مدینہ کی سٹیٹ کے اندر ہی بند رہ جانا چاہیے تھا۔اور مسلمانوں کی اسلامی اسٹیٹ چھوڑ کر برصغیر،چین،انڈونیشیا اور دنیا بھر میں تگ ودو بے معنی ہو جاتی ہے۔برصغیر میں موجود تقریباً پچاس کروڑ مسلمانوں میں فی ہزار نوسو ننانوے وہاں کی مقامی آبادی ہے یہی حال دنیا بھر کے مسلم معاشرے کا ہے۔یہ سب سے بڑی شہادت اور دلیل ہے جو قائداعظم اور علامہ اقبال کے نظریئے پر سوالیہ نشان بنا دیتی ہے۔کیونکہ اسلام انسانیت کا مذہب ہے نہ کہ قبائلی مذہب جو کسی جغرافیے کی تنگنائیوں میں محدود ہو کر رہ جائے۔

آبادی کے اعتبار سے دنیا کا سب سے بڑا ملک انڈونیشیا کسی فوج یا اسٹیٹ کے بغیر مسلم ملک بنا اور دوسرا بڑا ملک بنگلہ دیش مسلم سٹیٹ کے دور میں نہیں بلکہ برٹش امپائر کے عین دورِ شباب میں مسلم اکثریت کا خطہ بنا۔اسلام اپنی اشاعت میں کبھی اسٹیٹ کا مرہون منت نہیں رہا۔دنیا میں مسلم سٹیٹس بنتی ،بگڑتی رہیں۔اس سے اسلام کی رفتار پر کوئی فرق نہیں پڑا بلکہ وہ اپنی اندرونی توانائی وسپرٹ سے برابر نئی نئی فتوحات حاصل کرتا رہا کیونکہ

نشۂ مئے کو تعلق نہیں پیمانے سے

برصغیر میں اسلام کا نام استعمال کر کے ۵۸ سال پہلے ایک اسٹیٹ ضرور وجود میں آئی مگر اسلام کبھی اسلام آباد کے ائیرپورٹ پر نہیں اتر سکا اور نہ مستقبل میں کبھی اتر سکنے کا امکان نظر آتا ہے۔اسلام تو خیر بہت بڑی چیز ہے۔اگر اگلے ۵۸ سال میں صحیح معنی میں ڈیموکریسی اور سوشل جسٹس (سماجی انصاف) ہی آجائے تو ہم اسے نظریے کی کامیابی سمجھیں گے مگر اس کا بھی دور دور تک کوئی امکان نظر نہیں آتا۔اگر غور کیا جائے تو مسلمانوں کی سوچ وفکر کا رخ انسانی بہبودی اور معاشرے کی تعمیر کے بجائے اسٹیٹ کی اور حصولِ اقتدار کی طرف مڑ جانا ہی موجودہ پریشانیوں کا بنیادی واصل سبب ہے۔مثلاً امریکہ میں مسلمان تیزی سے اپنے قدم جماتے جا رہے تھے اور عددی اعتبار سے دوسری بڑی کمیونٹی بن چکے تھے۔مسلم معاشرہ خاموشی سے اپنا کام کر رہا تھا کہ مسٹر بش کے پہلے الیکشن کے موقع پر مسلمانوں نے اپنی سیاسی طاقت کا مظاہرہ کر دیا جس پر صیہونی طاقتوں کے کان کھڑے ہو گئے۔جن کا عرصے سے امریکہ ومغرب پر ہمہ جہتی اقتدار قائم ہے کہ مسلمانوں کی یہ جرأت کہ ہماری حدود میں دخل دیں۔یہاں یہ طے کرنا کہ اقتدار پر کوئی فائز ہونا صرف ہمارا حق ہے اور اس کے بعد نائن الیون کا ڈرامہ رچایا گیا اور امریکہ میں مسلمانوں کا وہ حشر کیا گیا کہ جان کے لالے پڑ گئے۔

مسلم معاشرے کی اندرونی روح وتوانائی کے خاتمے کا سب سے بڑا سبب تو خود اہل دین کا عقائد وفقہی مسالک کے جھگڑوں میں مشغول ہو کر انسانیت کے تئیں اپنے فریضے سے غافل ہو جانا ہے۔صدیوں سے مذہبی طبقے کا دائرہ کار عقائد

وعبادات اور نیک بننے کی مشق رہ گیا ہے۔اُن کے پاس انسانیت کی بہبودی کے لیے سوچنے کی فرصت نہیں رہی دوسرا سبب مغربی اقوام بالخصوص برطانیہ،فرانس کا سیاسی ،علمی فکری غلبہ ہے۔برطانیہ نے برصغیر میں اپنے نظام تعلیم افکار ونظریات اور تمدن وکلچر کے ذریعے ایک ایسی نسل پیدا کردی جن کی نشو ونما،خواہشات،خودغرضی،نفس پرستی اور حیوانیت کے خصائص پر ہوئی۔برصغیر میں برٹش امپائر پنجاب کی فوج،پولیس اور انٹیلی جنس کے بل بوتے پر قائم رہا۔اُس نے ایک طبقے کو ملک وملت سے غداری کے عوض زمینیں اور جاگیریں دے کر عوام پر تسلط وغلبہ بخشا۔جب برطانیہ نے محسوس کیا کہ اس کی پروردہ نسل اس کے منشاء کے مطابق اس خطے کو سنبھال سکتی ہے تو سیاسی اقتدار اس ٹولے کے حوالے کر کے واپس آ گیا۔پاکستان بننے کے بعد یہ طبقہ گزشتہ ۵۸ سال سے بلاشرکت غیرے ملک کا مالک ومختار بنا ہوا ہے۔فوجی حکومت ہو یا جمہوری اصل اقتدار انہی مراعات یافتہ غدار خاندانوں کا رہا جو ہر دور میں ملک کے وسائل کو اپنی ذاتی جاگیر جان کر لوٹ کھسوٹ کرتے رہے۔بینکوں سے کروڑوں،اربوں روپے ہڑپ کر کے معاف کرواتے رہے۔قیمتی زمین کوڑیوں کے دام اپنے نام الاٹ کرواتے رہے۔پاکستان کے حالیہ زلزلے میں بیرون ممالک کی امداد کا بڑا حصہ ہڑپ کر چکے ہیں۔زلزلے سے متاثرہ لاکھوں عورتیں،بچے،بوڑھے برفباری اور بارشوں کی مصیبت جھیل رہے ہیں اور یہ طبقہ بسنت کا جشن منا کر درجنوں معصوم بچوں کی گردنیں پتنگ کی ڈور سے کاٹ رہا ہے اور فائیو سٹار ہوٹلوں میں شراب وشباب،رنگ ومستی میں مگن ہے۔یہ اسلام اور قرآن کو اپنے لیے پیغام موت سمجھتا ہے۔مغرب نے تقریباً ہر ملک میں ایسا طبقہ پیدا کر کے اقتدار واختیارات اور ملک کی باگ ڈور اُس کے ہاتھ سونپ رکھی ہے جو امریکہ وبرطانیہ کے گورنر یا وائسرائے بن کر ان کے چشم ابرو کے اشارے پر کام کر رہا ہے۔غرض مسلم معاشرے کی تباہی کا اصل اور بنیادی سبب معاشرے کی روح کا نکل جانا ہے اور قرآن نے انسانی بہبود کے لیے جو اسپرٹ پیدا کی تھی اس سے محروم ہو جانا ہے۔یہی مسلم مفکرین کے لیے وقت کا سب سے بڑا چیلنج ہے کہ اس جاں بلب معاشرے کی روح وتوانائی کس طرح لوٹے نہ کہ اقتدار اور دور حکومت کے گلیاروں تک علماء ومفکرین کی رسائی۔اوّل تو مغرب کی پروردہ نسل کبھی خدا اور رسول پر ایمان رکھنے والوں کو اقتدار تک پہنچنے نہیں دے گی۔یہ حقیقت دن بدن واضح ہوئی جارہی ہے کہ مغرب مسلم ممالک میں جمہوریت کے نام پر عراق وافغانستان کی طرح اپنے فرمانبردار اہلکاروں کی حکومت کا خواہاں ہے۔بالفرض والمحال دینی جماعتیں اگر کسی مسلم ملک میں الیکشن کے ذریعے اوپر آ بھی گئیں تو عالمی طاقتوں نے جو گزشتہ کئی صدیوں سے صیہونی شیطانوں کی غلام وآلۂ کار بن چکی ہیں۔انہیں بے بس وبے اثر کرنے کے لیے دوسرا انتظام کر رکھا ہے۔وہ یہ کہ دوسری جنگ عظیم کے فاتحین امریکہ،برطانیہ وغیرہ نے اپنی فتح کو دائمی بنانے اور پوری انسانیت پر نافذ ومسلط رکھنے کے لیے اقوام متحدہ کو وجود بخشا اور یو این او کے ذریعے دنیائے انسانیت پر اپنا اقتدار مستحکم کر لیا۔دنیا کے سارے ممالک بشمول مسلم ممالک کے یو این او کے آئین وچارٹر پر دستخط کر چکے ہیں کہ وہ اپنے اپنے ملکوں میں یو این او کا تیار کردہ آئین نافذ کریں گے اور اپنے ملکی وقومی آئین وقوانین کو بدل کر اس کے مطابق بنائیں گے۔

یو این او کا یہ دستور اور چارٹر مغربی طاقتوں کے مفادات،خواہشات اور تمدن کے مطابق اور آسمانی تعلیمات کے

متوازی بلکہ برعکس ہے۔مثلاً اس کی ایک دفعہ یہ ہے کہ بالغ عمر کے مرد عورت رنگ ونسل جغرافیہ اور مذہب کی تفریق کے بغیر شادی کرسکیں گے۔اب آپ کسی مسلمان لڑکی کو غیر مسلم سے شادی کرنے سے نہیں روک سکتے۔ایک دفعہ یہ ہے کہ کسی مجرم کو ایسی سزا نہیں دی جائے گی جس سے اس کی تذلیل ہو یا اسے اذیت ہو یعنی قرآن کے حدود وقصاص کے تمام قوانین یک لخت ختم۔ایک دفعہ یہ ہے کہ مرد وعورت ہر اعتبار سے مساوی ہوں گے۔اس سے قرآن کے تمام معاشرتی، عائلی قوانین ختم ہوجاتے ہیں۔مثلاً طلاق دینے کا حق جس طرح مرد کو ہے عورت کو بھی دینا ہوگا وغیرہ۔اس طرح قرآن کے وراثت کے تمام احکام منسوخ،لڑکے کے دو حصے لڑکی کا ایک حصہ نہیں بلکہ مساوی حق ہوگا۔چند سال پہلے مصر کی عدالت نے دو لڑکوں کو جنسی تعلق قائم کرنے کی وجہ سے سزا دی تھی۔اس پر حسنی مبارک کو یہ کہہ کر مغرب سے معافی مانگنا پڑی تھی کہ ابھی معاشرے میں قرآن کا کچھ (فرسودہ) اثر باقی ہے۔اس لیے یہ غلطی ہوئی ورنہ یہ ان ملزمین کا بنیادی حق ہے۔یو این او کو یہ اختیار بھی حاصل ہے کہ وہ طے کرے کہ کس ملک کو کتنی فوج رکھنی ہے اور کون سے اسلحہ بنانے ہیں اور کس ملک کو اعلیٰ ٹیکنالوجی نیوکلیر تعلیم کا حق حاصل ہے اور ہر ملک میں چیزوں کے دام بھی یہی مقرر کرے گی۔یو این او پہلے ہی طے کرچکی ہے کہ دنیا میں نیوکلیر پاور بننے کا حق صرف پانچ بڑی طاقتوں ہی کا ہے۔تاکہ مغرب کی دہشت پوری دنیا پر طاری رہے۔یہی نہیں بلکہ دنیا کے ہر ملک کا آئین ودستور،قوانین وضابطے اور انسانی حقوق کی تعریف ہی یو این او ہی طے کرے گی۔غرض پوری دنیا پر اقوام متحدہ کے نام سے مغرب کا عالم اقتدار قائم ہوچکا ہے اور یو این او کا یہ حق بھی دنیا کے تمام ملک تسلیم کرچکے ہیں کہ اس کے آئین،قوانین اور قراردادوں کی خلاف ورزی کرنے والی حکومتوں پر یو این او کو فوج کشی کرکے اُن حکومتوں کو ختم کرنے کا حق ہے۔جیسا کہ افغانستان میں ہوچکا ہے۔موجودہ حالات میں اقوام متحدہ کے قوانین وچارٹر کی خلاف ورزی کرنے کی جرأت چین اور بھارت جیسے عظیم ملک بھی نہیں پاتے تو مسلم ممالک کس شمار میں ہیں۔یہ ہیں آج کی دنیا کے زمینی حقائق اب ان کو سامنے رکھ کر بتایئے اگر دینی جماعتیں کسی خطے یا ملک میں انتخابات کے ذریعے اقتدار تک پہنچ بھی گئیں تو وہ کیا کچھ کرپائیں گی اور کس طرح اسلام کا نفاذ کریں گی۔موجودہ حالات میں ہمارے پاس واحد آپشن (راستہ) یہی رہ جاتا ہے کہ قرآن واسلام نے پوری انسانیت کی بہبودی کا جو پیغام اور پروگرام دیا ہے،اس سے دنیائے انسانیت کو روشناس کرائیں اور خود عملی نمونہ بن کر جدید ذرائع ابلاغ کے ذریعے دعوت کا امپائر قائم کرکے تمام انسانیت کو ان کی دنیا وآخرت کی سرخروئی وسرفرازی کی یقینی راہ کی طرف بلائیں۔نہ کہ اقتدار وسٹیٹ کے حصول کی دوڑ میں شامل ہوکر اقوامِ عالم کے حریف بن جائیں۔قرآن اور ہماری پوری تاریخ شاہد عدل ہے کہ جب کبھی معاشرہ وافراد پر ایمان واسلام کا رنگ چڑھا تو خود بخود اسلامی سٹیٹ قائم ہوگئی۔پوری تاریخ میں ایسا کبھی نہیں ہوا کہ اسٹیٹ کے ذریعے معاشرہ وافراد میں ایمان واسلام قائم ہوا ہو۔غرض وقت کا سب سے بڑا چیلنج اور بنیادی سوال ہے اسٹیٹ یا سوسائٹی؟ ہر مسلمان خاص طور پر مسلم مفکرین وزعماء اور قرآن وسنت کا علم رکھنے والوں کے لیے یہ سوال وقت کی سب سے بڑی آزمائش اور اُن کے فہم وبصیرت کا امتحان ہے۔اس سوال کا جواب یا فیصلہ امتِ مسلمہ بلکہ پوری انسانیت کا مستقبل طے کرے گا۔